اہل السنّت والجماعۃ کون؟ (۴)

حافظ نذیر احمد ہاشمی

امام ابوحنیفہؒ پر ارجاء کا الزام اور اس کی حقیقت

امام صاحب پر مرجئی ہونے کا الزام علماء کی ایک جماعت نے لگایا ہے۔ بقول ان کے امام صاحب عمل کی ضرورت کے قائل نہیں تھے' لیکن یہ الزام سراسر غلط ہے۔ اس الزام کا جواب دینے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تکفیرِ اہل ذنوب کے بارے میں ان کا مسلک معلوم کیا جائے' لیکن اس سے پہلے مرجئہ کے عقائد پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے تا کہ اس الزام کی حقیقت واضح ہو سکے۔

مرجئہ نامی فرقہ اس دور کی پیداوار ہے جب مسلمانوں میں مرتکب کبائر کے مؤمن و غیر مؤمن ہونے کا مسئلہ چھڑا۔ خوارج اسے کافر قرار دیتے تھے' معتزلہ اسے مؤمن کے بجائے مسلم کہتے تھے' حسن بصریؒ اور تابعین کا ایک گروہ اسے منافق کہا کرتا تھا' جبکہ جمہور مسلمین اسے گناہگار مؤمن سمجھتے تھے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے کہتے تھے کہ وہ چاہے تو سزا دے' چاہے تو معاف کر دے۔ انہی اختلافات کے دوران ایک فرقہ (مرجئہ) نے بہ بانگ دہل یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا' جس طرح کفر کی موجودگی میں طاعات و عبادات بے اثر ہیں اسی طرح ایمان کی موجودگی میں اعمال سیئہ بے اثر ہیں۔ بعد ازاں ان کے جانشین پیدا ہوئے جو مرتکب کبائر کے بارے میں اپنے اسلاف کی طرح سلبی پہلو پر قانع نہ رہے بلکہ مثبت طریق سے ان کا دعویٰ تھا کہ اقرار و تصدیق اور اعتقاد و معرفت کا نام ایمان ہے' ایمان کی موجودگی میں معصیت ضرر رساں نہیں' ایمان اور عمل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بعض اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے ''ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے' زبان سے کفر کا اعلان کرنے' بتوں کی پرستش' یہودیت و نصرانیت کا عقیدہ رکھنے اور صلیب کی پوجا کرنے سے بھی ایمان جوں کا توں رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص دار الاسلام میں رہتے ہوئے تثلیث کا عقیدہ رکھتا ہو اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ شخص خدا کے ہاں مؤمن کامل' خدا کا محب اور قطعی جنتی ہو گا''۔ (۱۲۱)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرجئہ کی نگاہ میں عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ جہاں تک ایمان و عمل کے باہمی ربط کا تعلق ہے تو ان کی رائے میں عمل ایک بے کار چیز ہے جس کا دخولِ جنت و جہنم سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعمال کو ایک سلبی چیز تصور کرتے تھے' ایمان ان کے نزدیک صرف قلبی اذعان وایقان کا نام ہے اگرچہ اعضاء و جوارح اس کے خلاف ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مذہب کی وجہ سے حقائقِ ایمان اور نیکی و پاکبازی کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے اخلاق باختہ اور مفسد لوگ اس مذہب کو اپنانے لگے اور اسے اپنی شہوت رانی اور معصیت کاری کا ذریعہ قرار دے لیا۔

مرجئہ کے عقائد اور اعمال کے بارے میں ان کا موقف واضح ہو جانے کے بعد اب ہم عمل کی اہمیت کے بارے میں امام موصوف کا عقیدہ واضح کریں گے تاکہ قارئین خود اس الزام کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ امام موصوف کا یہ نظریہ کہ گناہگار کافر نہیں کیونکہ اس میں اصل ایمان موجود ہے' اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے جس میں کمی وبیشی کا امکان نہیں۔ ان کا قول ہے کہ عدمِ اعمال کے باوجود وہ مؤمن ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ (التوبۃ:۱۰۲)

علامہ ابن عبدالبر نے امام موصوف کا نظریہ (دوبارۂ اعمال) واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ابومقاتل کا قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ہماری رائے میں لوگ تین مرتبہ کے ہوتے ہیں: (۱) انبیاء اور ان کے وہ معتقدین جن کو وہ جنتی سمجھتے ہوں' یہ لوگ اہل جنت میں سے ہیں (۲) مشرک' جو قطعی جہنمی ہیں (۳) عام مؤمن جن کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا' ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں۔ بارگاہِ ایزدی سے ان کی مغفرت کی اُمید بھی ہے اور مبتلائے عذاب کرنے کا خوف بھی۔ ان کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ یعنی ان میں نیک و بد اعمال کی آمیزش پائی جاتی ہے' کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ ہماری دلیلِ رجاء تو یہ آیت قرآنی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ﴾ (النساء:۱۱۶) لیکن خوف کی وجہ ان کے گناہ ہیں' البتہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان لوگوں کے سوا جن کے جنتی ہونے کی شہادت انہوں نے دی ہے' کسی کے لیے جنت کو واجب قرار نہیں دیا' چاہے وہ قائم وصائم ہی کیوں نہ ہوں''۔(۱۲۲)

امام موصوف کا مندرجہ بالا بیان الفقہ الاکبر کے بیان کے بالکل مطابق ہے۔ چنانچہ الفقہ الاکبر میں ہے:

لا نکفر مسلمًا بذنب من الذنوب، وان کانت کبیرةً، اذا لم یستحلّها ولا نزیل عنه اسم الایمان، ونسمیة مؤمنًا حقیقةً ویجوز ان یکون مؤمنًا فاسقًا غیر کافر(۱۲۳)

''ہم کسی مسلمان کی کسی گناہ کے سبب تکفیر نہیں کرتے چاہے وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں اور نہ اس سے لفظ ایمان سلب کرتے ہیں بشرطیکہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھتا ہو' اس کو ہم مؤمن حقیقی قرار دیتے ہیں اور جائز ہے کہ وہ مؤمن فاسق ہو کافر نہیں''۔

امام صاحب کا مندرجہ بالا بیان ہر طرح قرینِ قیاس وعقل ہے' قرآنی وعدو وعید اس کی مؤید اور علماء و فقہاء اسے بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں' امام مالکؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ چنانچہ عمر بن حماد بن ابی حنیفہ کا بیان ہے:

''میں ایک مرتبہ امام مالک سے ملا' ان کے یہاں قیام کیا' ان کے علمی خیالات سنے۔ جب واپس آنا چاہا تو میں نے کہا اہلِ عداوت اور حسد پیشہ لوگوں نے غالباً امام ابوحنیفہ کے وہ عقائد آپ کے سامنے بیان کیے ہوں گے جن سے ان کا دامن پاک تھا' میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے اصلی افکار وخیالات کیا تھے۔ اگر آپ کو پسند آئیں تو بہتر ورنہ آپ کے پاس جو اچھی چیز ہوگی میں بخوشی اخذ کرلوں گا۔ امام مالک نے فرمایا بتایئے! میں نے کہا: ابوحنیفہ گناہ کی وجہ سے کسی مؤمن کی تکفیر نہ کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا ''بہت خوب۔'' میں نے کہا ابوحنیفہ اس سے بھی بڑی بات کہتے تھے اور وہ یہ کہ فواحش کا ارتکاب کرنے سے بھی میں اسے کافر نہیں سمجھتا۔ امام مالک نے سابقہ الفاظ دہرائے۔ میں نے کہا آپ اس سے بڑھ کر کہتے تھے کہ میں عمداً قتل کرنے والے کو بھی کافر خیال نہیں کرتا۔ امام مالک نے فرمایا بہت خوب۔ میں نے کہا یہ ہیں ان کے افکار واقوال' اگر کوئی کہے کہ ان کے خیالات اس سے مختلف تھے تو باور نہ کیجیے۔'' (۱۲۴)

یہ ہے جمہور متاخرین مسلمانوں کا عقیدہ' صرف خوارج اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں' لیکن بایں ہمہ اس قول کی بنا پر علماء کی ایک جماعت نے امام صاحبؒ کو ہدفِ ملامت بناتے ہوئے آپ پر مرجئ ہونے کا الزام لگایا' جبکہ الفقہ الاکبر میں امام صاحب نے خود اس الزام سے براءت ظاہر کرتے ہوئے اپنے مذہب اور مرجئہ کے قول میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

لا نقول ان المؤمنين لا تضره الذنوب ولا نقول انه لا يدخل النار ولا نقول انه يخلد فيها وان كان فاسقًا ' بعد ان يخرج من الدنيا مؤمناً' ولا نقول ان حسناتنا مقبولة وسيئاتنا مغفورة كقول المرجئة ولكن نقول المسئلة مبينة مفصلة من عمل حسنةً بجميع شرائطها خاليةً عن العيوب المفسدة' والمعانى المبطلة' ولم يبطلها بالكفر' والدِّدَّةِ' حتى خرج من الدنيا مؤمناً فان الله تعالٰى لا يضيعها بل يقبلها منه ويثيبه عليها' وما كان من السيئات دون الشرك والكفر ولم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمناً فانه فى مشية الله تعالٰى ان شاء عذبه بالنار وان شاء عفا عنه ولم يعذبه بالنار ابدًا (۱۲۵)

''ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مؤمنین کے لیے ضرر رساں نہیں اور یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ ہم اس کے ابدی جہنمی ہونے کے بھی قائل نہیں' وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہمارے اعمال مقبول اور گناہ بخشے بخشائے ہیں جیسا کہ مرجئہ کا خیال ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ واضح ہے کہ جو شخص تمام شرائط کو ملحوظ رکھ کر نیک اعمال کرے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں کوئی مفسدِ اعمال امر موجود نہ ہو' کفر' ارتداد اور اخلاقِ ذمیمہ بھی ان اعمال کو برباد نہ کر رہے ہوں اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو تو ایسے شخص کے اعمال کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا بلکہ قبول کر کے ان کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ شرک و کفر سے کم درجہ کے وہ گناہ جن سے مؤمن توبہ تو نہ کر سکا ہو مگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو' تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے چاہے تو معاف کر دے اور بالکل عذاب نہ دے"۔

امام موصوف کے مندرجہ بالا بیان سے ان کے افکار و آراء اور مرجئہ کے نظریات کا باہمی فرق و امتیاز بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

مرتکبِ کبائر کے بارے میں اسلامی فرقے تین قسموں میں منقسم تھے:

۱) خوارج اور معتزلہ' جو ان کو کافر سمجھتے تھے۔

۲) مرجئہ: جن کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ قطعاً ضرر رساں نہیں اور اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرما دیں گے۔

۳) باقی سب علماء' جن کا عقیدہ تھا کہ عاصی کی تکفیر نہ کی جائے' نیکی کا اجر دس گنا ملے گا' برائی کی سزا اس کے برابر ہوگی اور عفو خداوندی کسی خاص دائرہ تک محدود نہیں۔

امام موصوف کا شمار اس تیسرے گروہ میں ہوتا تھا۔ یہی رائے جمہور مسلمانوں کی ہے اور اگر اس کے قائل کو مرجئہ کہا جا سکتا ہے تو تمام مسلمان مرجئہ ہونے سے بری نہیں ہو سکتے۔

اگر امام موصوف اور دیگر علماء کا عقیدہ مرتکبِ کبیرہ کے بارے میں ایک ہی ہے تو پھر ان پر مرجئی ہونے کا الزام کیوں لگایا گیا؟ شارح مواقف اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وغسان کان یحکیه (ای القول بما ذهب الیه) عن ابی حنیفة ویعده من المرجئة وهو افتراء علیه قصد به غسان ترویج مذهبه بموافقة رجل کبیر مشهور۔ وقال الآمدی ...... قد عدوا أباحنیفة واصحابه من مرجئة اهل السنة ولعل ذٰلك لان المعتزلة فی الصدر الاول کانوا یلقبون من خالفهم فی القدر مرجئاً اولأنه لما قال الایمان هو التصدیق ولا یزید ولا ینقص ظن به الارجاء بتاخیر العمل عن الایمان ولیس کذٰلك اذا عرف منه المبالغة فی العمل والاجتهاد فیه۔(۱۲۶)

"غسان نامی ایک مرجئی شخص اپنے عقائد کو امام موصوف کی طرف منسوب کر کے آپ کو مرجئہ میں شمار کرتا تھا' حالانکہ یہ افتراء اور بہتان ہے۔ دراصل اس کو اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے کسی جلیل القدر عالم کی موافقت و سرپرستی درکار تھی ...... علامہ آمدی نے کہا ہے کہ آپ کو مرجئی سمجھے جانے کی وجہ شاید یہ ہوئی کہ صدرِ اوّل میں معتزلہ ہر اس شخص کو مرجئی سمجھتے تھے جو تقدیر کے مسئلے

میں ان کا ہمنوا نہ ہو۔ یا ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ آپ کی رائے میں ایمان کم و بیش نہیں ہوتا اور اعمال آپ کی نظر میں جزوِ ایمان نہیں تھے۔ اس لیے گویا آپ اعمال کو ایمان سے پیچھے ہٹا کر ارجاء کا ارتکاب کرتے ہیں (کیونکہ ارجاء کا لفظی مفہوم ہٹانا ہے) حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں' کیونکہ اعمالِ حسنہ کے انجام دینے میں حد درجہ مبالغہ کرنا آپ سے مشہور ہے۔"

محققین نے تصریح کی ہے کہ مرجئہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ فرقہ ضالّہ ہے جو عمل کی ضرورت کا سرے سے قائل ہی نہیں اور ایک مرجئہ اہل سنت میں سے ہیں جو عمل کی ضرورت کے قائل تو ہیں لیکن اس کو ایمان کا جزء نہیں مانتے۔ بالفاظِ دیگر امام صاحب نے عمل کو ایمان سے بالکل الگ قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مقام تصدیق کے برابر نہیں۔ تصدیق اصل اور بنیاد ہے' اس کی عدم موجودگی میں بڑے سے بڑے عمل کا بھی کوئی اعتبار نہیں' جبکہ عمل کے بغیر دخولِ جنت ہو سکتا ہے' چاہے تو اول وہلہ میں ہو یا گناہوں کے بقدر سزا بھگتنے کے بعد ہو۔

اگر ان کا یہ مسلک (اعمال کو جزوِ ایمان نہ قرار دینا) پھر بھی قابلِ اعتراض ہو تو ائمہ ثلاثہ کا مذہب (ایمان تصدیق قلبی' اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے) بھی قابلِ اعتراض ٹھہرتا ہے' کیونکہ بعینہٖ یہی مسلک معتزلہ اور خوارج کا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ائمہ ثلاثہ ایمان کے لیے عنوان و تعبیر معتزلہ و خوارج کا اختیار کرتے ہیں' لیکن مرتکب کبیرہ کو معتزلہ و خوارج کی طرح ایمان سے خارج نہیں مانتے۔

باقی رہا یہ اشکال کہ عمل کو ایمان کا جزء قرار نہ دینے کی صورت میں عمل کی اہمیت کم ہو جاتی ہے تو یہی اشکال عمل کو ایمان کا جزء قرار دینے کی صورت میں بھی وارد ہوتا ہے کہ لوگوں میں مایوسی پیدا ہوتی ہے کہ عمل نہیں ہوگا تو جنت نہیں ملے گی' جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا عقیدہ ہے۔

نیز یہ کہنا کہ حنفیہ کے اس قول سے مرجئہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ وہ بھی عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے اور حنفیہ بھی عمل کو ایمان کا جزء نہیں مانتے' اس طرح مرجئہ کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔ تو حنفیہ بھی اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی تعبیر سے معتزلہ و خوارج کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے کہ جس طرح وہ عمل کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں اسی طرح آپ بھی عمل کو ایمان کا جزء قرار دے رہے ہیں اور اس طرح آپ معتزلہ و خوارج کی تائید کر رہے ہیں۔

الحاصل: امام صاحب کو صرف اسی صورت میں مرجئی کہا جا سکتا ہے جب کہ فساق کو مؤمن کہنے والے اور یہ عقیدہ رکھنے والے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے اور یہ کہ عفو خداوندی حدود و قیود کی پابند نہیں' ان عقائد کے حامل تمام لوگوں پر ارجاء کا فتویٰ صادر کیا جائے اور ظاہر ہے کہ اندریں صورت صرف امام ابوحنیفہ ہی کا شمار مرجئہ میں سے نہیں بلکہ معتزلہ کو چھوڑ کر تمام محدثین و فقہاء بھی اس زمرہ میں داخل ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقتِ ایمان میں اعمال کے داخل نہ ہونے کے دلائل

۱) ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے اور اس کا تصدیق کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی طرف نقل پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر عُرفِ شرع میں تصدیق کے علاوہ اس کا کوئی اور مفہوم ہوتا تو اس کا وہ مفہوم شہرت وتواتر کی حد تک منقول ہوتا' کیونکہ ایمان کا لفظ ہر مسلمان کی زبان پر ہر وقت جاری وساری رہتا ہے' لہٰذا اس مفہوم سے ہر ایک مسلمان واقف ہوتا' جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے اصل مفہوم تصدیق ہی پر دال ہے۔

۲) نصوص کی صراحت اور اجماعِ اُمت اس بات پر دال ہے کہ عذابِ خداوندی کے معائنہ کے وقت کا ایمان نافع نہیں' اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اس ایمان سے مراد تصدیق اور اقرارِ لسانی ہے' کیونکہ وہ وقت اعمال کے بجالانے کا نہیں ہوتا۔

۳) قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان کا ذکر ہوا ہے اس کی اضافت قلب کی طرف کی گئی ہے۔ مثلاً:

(ا) ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾ (المجادلۃ:۲۲)

(ب) ﴿وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات:۱۴)

(ج) ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ (النحل:۱۰۶)

(د) ﴿مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (المائدۃ:۴۱)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ)) (۱۲۷)

یہ اور اس طرح کی دیگر بے شمار آیاتِ بینات اور احادیث میں ایمان کی اضافت قلب کی طرف کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان قلب کا فعل (تصدیق) ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ متصل عملِ صالح کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگر اعمالِ صالحہ ایمان کے اندر داخل ہوتے تو یہ تکرار ہوتا جو کہ عیب ہے اور اللہ کا کلام اس سے منزہ ہے۔

۵) قرآن مجید میں جابجا اعمالِ صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اگر اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء ہوتے تو عطف الجزء علی الکل لازم آتا' حالانکہ معطوف اور معطوف علیہ میں کلیت وجزئیت نہیں بلکہ مغایرت ہونی چاہیے۔

۶) اللہ عزوجل نے صحت وقبولیتِ اعمال کے لیے ایمان کا ہونا شرط ٹھہرایا ہے: ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ (طٰہٰ:۱۱۲) اور مشروط داخل فی الشرط نہیں ہوتا' کیونکہ ایسا کرنے

سے اشتراط الشیٔ لنفسہ لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے۔

۷) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تارکِ اعمال کے لیے بھی ایمان کا اثبات کرتے ہوئے فرمایا:

(ا) ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات:۹)

(ب) ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام:۸۲)

(ج) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا﴾ (الانفال:۷۲)

مؤخر الذکر آیت کریمہ میں ہجرت نہ کرنے والے کو مؤمن کہا گیا ہے' حالانکہ ترکِ ہجرت پر عظیم وعید سنائی گئی ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ (النحل:۲۸) نیز فرمایا: ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ (الانفال:۷۲) اس عظیم وعید کے باوجود ترکِ ہجرت کرنے والوں کو مؤمن کہا گیا ہے۔

(د) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ (الممتحنۃ:۱)

(ہ) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ (الانفال:۲۷)

(و) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

مؤخر الذکر اور درج ذیل آیت کریمہ میں مؤمنین کو توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ کرنے کا حکم مؤمن گناہگار کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ کافر کو۔

(ز) ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (النور:۳۱)

۸) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں قتلِ عمد کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا ہے۔

۹) مشہور حدیث جبریل میں ایمان کے متعلق حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں بجائے اعمال کے' آپؐ نے تصدیق کا ذکر کیا: ((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

۱۰) بالفرض اگر ایمان اطاعت کا نام ہو تو دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) مجموعی اطاعت کا نام ہے' تو اس صورت میں اس شخص کو مؤمن نہیں کہا جائے گا جس نے تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ اقرار باللسان بھی کر لیا ہو لیکن عبادات کی ادائیگی اور اعمالِ صالحہ کی بجا آوری سے پہلے مرجائے' حالانکہ ایسے شخص کے مؤمن ہونے پر اجماع ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ہر اطاعت کا نام ایمان ہو' تو اس صورت میں ایک اطاعت سے دوسری اطاعت کی طرف انتقال' انتقال من دین الی دین ہوگا جو کہ بدیہی البطلان ہے۔[۱۲۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱) وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں ایمان کے ساتھ اعمال کا مطالبہ کیا گیا ہے:

(ا) ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة)

(ب) ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

(ج) ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ (الاحزاب)

مندرجہ بالا آیات بینات میں ایمان کے ساتھ اعمال کا مطالبہ کیا گیا ہے' اگر اعمال حقیقتِ ایمان میں داخل ہوتے تو الگ سے ان کا مطالبہ کیوں کیا جاتا؟

۱۲) آیت کریمہ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۵۶) اس آیت میں کفر کے مقابلے میں ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اور کفر انکار و تکذیب کا نام ہے اور انکار و تکذیب کا محل قلب ہے' لہٰذا اس کی ضد ایمان کا محل بھی قلب ہوگا اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ایمان کی تعریف تصدیق سے کی جائے اور عمل اس میں داخل نہ ہو۔

۱۳) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے کلمہ پڑھا تھا۔ انہوں نے یہ سمجھ کر قتل کیا کہ یہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ علم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ)) یعنی ''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا؟'' بالفاظِ دیگر تمہیں یہ یقین کس طرح حاصل ہو گیا کہ وہ مؤمن نہیں' محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے' کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟(۱۲۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تصدیق کا محل قلب ہے اور ایمان کی تعریف تصدیق سے ہوگی عمل اس کے اندر داخل نہیں۔

۱۴) ایک انصاری صحابیؓ کا واقعہ ہے اَنَّهٗ جَاءَ بِاَمَةٍ سَوْدَاءَ وَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ' اِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَاِنْ كُنْتَ تَرٰى هٰذِهٖ مُؤْمِنَةً اَعْتَقْتُهَا' فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَتَشْهَدِيْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ' قَالَ: اَتَشْهَدِيْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ' قَالَ: اَتُؤْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ' قَالَ: اَعْتِقْهَا۔(۱۳۰)

مندرجہ بالا حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مؤمنہ ہونے کا پتہ چلانے کے لیے کسی عمل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق بالقلب پر اس کے مؤمنہ ہونے کا فیصلہ فرمایا۔

اعمال کے جزئیتِ ایمان پر محدثین کے دلائل

۱) مشہور حدیث مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

((اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (۱۳۱)

۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
((اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِہٖ)) (۱۳۲)

۳) ﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)
مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظِ ایمان کا اطلاق صلوٰۃ پر کیا گیا ہے۔

۴) مشہور حدیث مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:
((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ)) (۱۳۳)
یعنی زانی زنا کرتے وقت، شرابی شراب پیتے وقت اور چور چوری کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا، ایمان اس سے نکل جاتا ہے۔
معلوم ہوا کہ اعمالِ حسنہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں۔ اگر ایمان محض تصدیق کا نام ہوتا تو کسی عمل کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہ کی جاتی، حالانکہ اس حدیثِ مبارکہ میں زنا، شراب نوشی اور چوری کے مرتکب کو عدمِ ایمان سے متصف کیا گیا ہے۔

۵) وفد عبدالقیس کی حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تشریح و تفسیر میں صلوٰۃ و زکوٰۃ و صیام اور اداء خمس من الغنیمۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
اَمَرَھُمْ بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ، قَالَ: ((اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ؟)) قَالُوْا: اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، قَالَ: ((شَھَادَۃُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ، وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکَاۃِ وَصِیَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ)) (۱۳۴)
مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی وضاحت میں اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صیامِ رمضان اور غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی کا ذکر فرمایا۔

۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ علیہ السلام سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: ((اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)) قِیْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) قِیْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) (۱۳۵)
مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ افضل عمل کے بارے میں سوال کے جواب میں آپ نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، جہاد فی سبیل اللہ اور حج مبرور کا ذکر فرما کر ایمان کو عمل کا نام دے دیا۔

۷) وہ احادیث جن میں مختلف اعمالِ حسنہ کو ایمان کہا: مثلاً حیاء کے بارے میں آپ کا ارشاد ((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ)) یا صیام و قیامِ رمضان کے بارے میں آپ کا ارشاد یا ''حُبُّ اَخِ الْمُسْلِمِ'' کو آپ کا ایمان فرمانا وغیرہ۔
مذکورہ بالا دلائل کے بہت سارے جوابات دیے گئے ہیں، لیکن مختصر یہ کہ ان دلائل میں اعمال پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے‘ کیونکہ اعمال ایمان کے مقتضیات اور توابع میں سے ہیں‘ یعنی ایمان پایا جائے تو اس کے ساتھ ساتھ اعمال پائے جانے چاہئیں۔ یا اعمال پر ایمان کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ آثارِ ایمان میں سے ہیں اور کسی شئے کے اثر پر کبھی کبھار اس شئے کا اطلاق کر دیا جاتا ہے‘ مثلاً لفظ ’’شمس‘‘ کا اطلاق ’’قرص‘‘ (سورج کی ٹکیہ) پر بھی ہوتا ہے اور اس کے اثر ’’ضوء‘‘ پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ’’نار‘‘ کا اطلاق انگارے پر بھی ہوتا ہے اور اس کی لپٹ ولہب پر بھی ہوتا ہے۔

حضرات محدثین و متکلمین کے درمیان اختلاف کی حیثیت

متکلمین ایمان کی تعبیر تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان سے کرتے ہیں اور حضرات محدثین تصدیق‘ عمل اور اقرار کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں‘ لیکن انجام ومآل کے اعتبار سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتکبِ کبیرہ دونوں کے نزدیک مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ پھر اس اختلاف میں اتنی شدت کہاں سے آ گئی؟

بعض حضرات کے نزدیک تو یہ اختلاف لفظی ہے۔ لیکن یہ اختلاف لفظی نہیں بلکہ نظریے کا اختلاف ہے‘ متکلمین کا نظریہ ہے کہ اعمال ایمان کی فرع ہیں اور ایمان (تصدیق بالقلب) کی حیثیت ایسی ہے جیسے جڑ کی حیثیت ہوتی ہے جو زمین کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے‘ اس سے تنا نکلتا ہے اور تنے کے بعد پھر شاخیں اور پتے۔ وہ شاخیں اور پتے جڑ کا جزو نہیں ہوتے بلکہ ان کو جڑ کے اوپر متفرع قرار دیا جا سکتا ہے‘ اسی طرح اعمال ایمان پر متفرع قرار دیے گئے ہیں۔ جبکہ محدثین کے نزدیک ایمان بمنزلہ بیج و بنیاد ہے اور اعمال کی حیثیت شاخ اور پتوں کی ہے۔ جیسے شاخ اور پتے جڑ کا جزء نہیں ہیں ایسے ہی اعمال بھی تصدیق کا جزو نہیں ہیں بلکہ متعلقات اور فروعات میں سے ہیں۔

محدثین کے خیال میں ایمان کی حیثیت اس تنے کی ہے جو زمین کے اوپر ہوتا ہے شاخیں اور پتے‘ اس کا جزء ہوتے ہیں‘ اسی طرح اعمال بھی ایمان کے لیے جزء ہوں گے۔[۱۳۶]

یہ اختلاف دراصل حالات کی پیداوار ہے متکلمین اور امام صاحب کے زمانہ میں چونکہ معتزلہ اور خوارج کا زور تھا جو اس بات کے قائل تھے کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں۔ اعمال نہ ہونے کی صورت میں انسان مخلد فی النار ہوگا‘ کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج تھا۔ ان کی مؤثر تردید کے لیے امام موصوف اور متکلمین نے یہ بلیغ عنوان اختیار کیا کہ ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کا نام ہے اور اعمال اس کا ثمرہ‘ نتیجہ اور فرع ہیں نہ کہ جزء۔

جبکہ محدثین کے زمانے میں مرجئہ کا زور تھا جو عمل کو بالکل بے کار سمجھتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ **الطاعة لا تفيد والمعصية لا تضر**۔ ان کی تردید کے لیے حضرات محدثین نے یہ بلیغ انداز اختیار کیا کہ عمل ایمان کا جزو ہے تاکہ عمل کی اہمیت اجاگر ہو۔ ورنہ اصل کے اعتبار سے نہ تو متکلمین عمل کی اہمیت کے

منکر ہیں اور نہ محدثین۔ دونوں کے نزدیک عمل ضروری ہے۔ اور دونوں کے نزدیک مرتکب کبیرہ نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ مخلد فی النار ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

حواشی

(۱۲۱) الفصل فی الملل والاھواء والنحل' ابن حزم' ج٤' ص ٢٠٤۔

(۱۲۲) الاتقاء' ص ١٦٧۔

(۱۲۳) الفقه الاکبر' فصل المؤمنون وحسناتهم و سیئاتهم واعمالهم۔

(۱۲٤) المناقب' للمکی' ج١' ص ٧٧۔

(۱۲٥) الفقه الاکبر' فصل المؤمنون وحسناتهم وسیئاتهم واعمالهم۔

(۱۲٦) المواقف' قاضی عضد الدین' عبدالرحمٰن اللائجی' مع شرحه' للشریف علی بن محمد الجرجانی' ج٨' ص ٢٩٧۔

(۱۲۷) سنن ابن ماجه' کتاب الدعاء' باب دعاء رسول اللهﷺ۔

(۱۲۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح المقاصد للتفتازانی' ج٥' ص١٩٥ و شرح المواقف' سید شریف علی بن محمد جرجانی'ج٨' ص٣٢٤۔ وتفسیر روح المعانی' للعلامه الآلوسی' ج١'ص ١١١ تحت تفسیر قولهٗ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ... وتفسیر مفاتیح الغیب' للرازی' تفسیر سورة البقرة' آیت (٣)۔

(۱۲۹) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم قتل الکافر بعد قوله ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''

(۱۳۰) مسند احمد' ج٣' ص ٤٥١'٤٥٢' حدیث رجل من الانصار۔

(۱۳۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان باب امور الایمان۔ وصحیح مسلم کتاب الایمان' باب بیان عدد شعب الایمان۔ وسنن النسائی' کتاب الایمان وشرائعه' باب ذکر شعب الایمان۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب السنة' باب فی رد الارجاء۔ وسنن الترمذی' ابواب الایمان' باب ما جاء فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه۔ وسنن ابن ماجه' باب فی الایمان۔

(۱۳۲) سنن الترمذی' ابواب الایمان' باب ما جاء فی استکمال الایمان والزیادة والنقصان۔

(۱۳۳) صحیح البخاری' کتاب الاشربة' باب قول الله تعالی انما الخمر والمیسر والانصاب...... وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی......

(۱۳٤) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب اداء الخمس من الایمان۔ وصحیح مسلم' باب الایمان' باب الامر بالایمان بالله تعالی ورسوله وشرائع الدین والدعاء الیه والسوال عنه......

(۱۳٥) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من قال : ان الایمان هو العمل۔

(۱۳٦) تفصیل کے لیے دیکھئے درس بخاری علامه عثمانی مرتبه مولانا عبدالوحید صدیقی فتح پوری' ج١' ص ١٢٠'١٢١۔

© rasailojaraid.com